سامنے عام قاعدہ ہے کہ مصنفین اپنی کتاب پیش کر دیتے ہیں۔ جیساکہ میں نے عرض کیا، یہی آخری شکل اس کتاب کی اصلی اور واقعی شکل قرار پاتی ہے اور کسی کے دل میں اس کا خطرہ بھی نہیں ہوتا کہ مصنف کو کن کن مراحل سے اپنی تصنیف کے اس جدوجہد میں گزرنا پڑا۔ اس کا پتہ چلاتے، مصنف کے پرانے فائلوں اور ان بستوں کو ٹٹولے جن میں اس کی یادداشتیں رکھی جاتی تھیں اور کاغذ، سیاہی وغیرہ کی کہنگی اور تازگی کو دیکھ دیکھ کر فیصلہ کرے کہ ان یادداشتوں میں تاریخی طور پر کن کو مقدم اور کن کو مؤخر قرار دیا جائے یا یہ کہ مصنف نے اپنی کتاب کے کس حصے کو پہلے مکمل کیا اور کس حصہ کی تکمیل بعد کو کی۔ بالفرض

"غم نداری بز بخر"

کی ان غیر ضروری جھنجھٹوں میں میں تو خیال کرتا ہوں، کوئی خواہ مخواہ مبتلا بھی ہو، تو ایک قسم کا خبط ہی اس کو سمجھا جائے گا۔ تاہم انسانی تصنیفات کے متعلق سراغ رسانی کی اس غیر ضروری مہم کا ممکن ہے کہ کچھ فائدہ بھی ہو۔ غریب آدمی زندگی کے مختلف دور میں مختلف حالات سے گذرتا رہتا ہے۔ کبھی انشراح قلب انبساط و نشاط کی حالت میں رہتا ہے کبھی انقباض و کوفت دماغی میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ اور اسی قسم کے دوسرے نفسیاتی کیفیات کا اثر جیسے زندگی کے تمام شعبوں پر پڑتا ہے۔ انسان کے تصنیفی کاروبار بھی اس سے متاثر ہوں تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے، اور کچھ نہیں تو بھی کیا کم ہے کہ کتاب کے کسی حصہ کو نشاط و انبساط کی حالت میں مصنف نے لکھا ہے اور کن حصوں کی تکمیل انقباض و کوفت دماغی کے زمانہ میں ہوئی، اس ٹٹول سے اسی کا پتہ چل سکتا ہے مگر اللہ میاں کے متعلق تو مزاجی اور دماغی اتار چڑھاؤ کی اس کیفیت کی بھی گنجائش نہیں۔

مگر یہ عجیب بات ہے کہ غیر تو غیر خود مسلمانوں کا ایک طبقہ جو قرآن کو خدا کی کتاب مانتا ہے

ادھر کچھ دنوں سے اسی لایعنی، غیر ضروری مشغلے میں یورپ کے بعض پادریوں کے اغوائی اشاروں سے الجھ گیا ہے۔

خود بھی اسی میں الجھا ہوا ہے اور جانتا ہے کہ جس مسئلے کا مسلمانوں کے دل پر کسی زمانے میں کبھی کسی قسم کا کوئی خطرہ بھی نہیں گذرا تھا اسی میں ان کو بھی الجھا دے بڑھتے ہوئے بعض تو یہاں تک پہنچ کر کہنے لگے کہ قرآن کا مطلب ہی مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ موجودہ ترتیب کو الٹ پلٹ کر نزولی ترتیب پر قرآن کو مرتب کر کے نہ پڑھا جائے عیسائی پادریوں کی بات تو سمجھ میں بھی آتی ہے وہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی افکار و خیالات کا العیاذ باللہ مجموعہ سمجھتے ہیں اس لئے نزولی ترتیب کے پتہ چلانے کا فائدہ یہ بتاتے ہیں کہ اس ذریعہ سے

"ہم ایک زبردست دماغ کی ترقی، ایک پاکیزہ روح کی کمزوری و توانائی اور ایک بڑے انسان کی ناگزیر نیرنگیوں کو دیکھنے لگتے ہیں" (لین پول خطبات و احادیث رسول صنا)

لیکن خیال تو کیجئے ایک مسلمان بے پارہ جو قرآن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں بلکہ خالق کائنات کی براہ راست کتاب یقین کرتا ہے کیا اس نزولی ترتیب کی تلاش میں پاپڑ بیلنے کے بعد اللہ میاں کی پاکیزہ روح کی "کمزوریوں اور ناگزیر نیرنگیوں" کا تماشا دیکھنا چاہتا ہے؟ یا نزولی ترتیب کی جستجو کی دعوت دینے والے کیا اپنے پیدا کرنے والے مالک کی ان ہی مذبوحی حرکات کا تماشا خود بھی اور مسلمانوں کو بھی دکھانا چاہتے ہیں؟

میں نے جیسا کہ عرض کیا انسانی تصنیفوں کے متعلق بھی جب اس قسم کی کرزگیوں کا مالی خولیا دماغوں میں پیدا نہیں ہوتا تو العیاذ باللہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی کتاب کے متعلق اس سوال کے اٹھانے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں؟ اور کوئی چاہے بھی تو میں نہیں سمجھتا کہ کسی انسانی تصنیف

کے متعلق بھی ان باتوں کا پتہ چلانا آسان ہے کہ مصنف کو اس کی ترتیب کے سلسلے میں کن مرحلوں سے گذرنا پڑا، یادداشتوں میں کون سی یادداشت پہلے نوٹ ہوئی اور کون بعد، یا کتاب کا کون سا حصہ پہلے مکمل ہوا۔ اور کون بعد، قرآن کے ساتھ مسلمانوں کی غیر معمولی دلچسپیوں نے جہاں بہت سی عجیب و غریب چیزیں قرآن کے متعلق پیدا ہوگئی ہیں مثلاً اس کتاب کے ایک ایک حرف اور حروف کے اعراب یعنی زیر و زبر پیش، سب ہی کو انھوں نے ثواب کا کام سمجھ کر گن لیا ہے، اور جو کچھ اس سلسلے میں تیرہ سو برسوں کی طویل مدت میں وہ کرتے چلے آئے ہیں ایک مستقل کتاب کا وہ مضمون ہے غیر معمولی دلچسپیوں کے اسی ذیل میں دنیا کی تمام کتابوں کے مقابلہ میں صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے کل تو نہیں لیکن معقول اور معتد بہ حصہ کے متعلق مسلمانوں میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کی کون سی سورہ کس مقام میں اُتری یعنی مکہ میں یا مدینہ میں، اسی طرح ان ہی روایتوں میں اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے کہ فلاں آیت یا آیتوں کا مجموعہ فلاں مشہور واقعہ کے وقت اترا۔ شانِ نزول کی اصطلاح ان ہی معلومات کے متعلق مسلمانوں میں مروج ہے اور یہ بھی ایک حد تک صحیح ہے کہ ان روایتوں کی مدد سے سورتوں کی کافی تعداد کے متعلق اس کا پتہ چلا لیا گیا ہے کہ مکہ میں اُتریں یا مدینہ میں اور کھوڑی بہت آیتوں کے متعلق بھی کوئی چاہے تو اس قسم کے معلومات فراہم کر سکتا ہے لیکن ان ساری معلومات کے بعد بھی مسلمانوں نے نہیں بلکہ یورپ کے ان ہی پادریوں نے جو آج کل استشراق کی نقاب چہروں پر ڈال کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ بجائے دینی اور مذہبی عصبیت کے ان کے کاروبار کا تعلق صرف علمی تحقیقات سے ہے۔ بہرحال مستشرقین کا یہی طبقہ دو ڈھائی سو سال کی کدو کاوش کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ

"صحیح ترتیب نزول کا معلوم کرنا ناممکن ہے" (نولڈکی)

برٹش فیلڈ جو اسی فیلڈ کا مشہور سپاہی ہے اس بے چارے کو بھی اسی اعتراف پر مجبور ہونا پڑا کہ

"میں پہلے ہی سے اس کا اقرار کیوں نہ کرلوں کہ اس سلسلے میں (یعنی نزولی ترتیب کی جاسوسی میں)

قابل اعتماد نتائج حاصل کرنے کی بہت ہی کم امید ہے" (یہ فقرے بہ دفعہ اصل کی کتاب سے لئے گئے ہیں)

اور یہ حال تو اس وقت ہے جب قرآن کی موجودہ متواترہ، وقطعی مسلمہ ترتیب میں ترمیم کی اجازت ان روایتوں کی بنیاد پر دی دی جو شان نزول کے سلسلے میں ہماری کتابوں کے اندر پائی جاتی ہیں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ روایات کا جو ذخیرہ ہمارے یاں پایا جاتا ہے اس ذخیرے میں سب سے زیادہ کمزور اور حد سے زیادہ ضعف ان روایتوں کی خصوصیت ہے جن کا تعلق قرآن کی تفسیر وغیرہ سے ہے، محدثین کا اس پر اتفاق ہے، تواتر و توارث کے نیر تاباں کی روشنی نہ بہانہ سہی عقلا ہی سہی میں پوچھتا ہوں کہ جگنو کے دم کی روشنی سے کیا مغلوب ہو سکتی ہے جن چیزوں کو آفتاب کی روشنی میں ہم دیکھ رہے ہیں اور جو معلومات اس روشنی میں حاصل ہوئے ہوں، کیا ان معلومات میں ترمیم کی جسارت ان چیزوں کی مدد سے کوئی کرسکتا ہے جن پر گھپ اندھیری رات میں جگنو کی دم کی روشنی میں اتفاقاً کسی کی نظر پڑ گئی یقین کیجئے کہ قرآن کی موجودہ مرتب شکل کے متعلق ہمارے علم کی عقلی کیفیت، نزولی روایات کے مقابلہ میں بھی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے[1]

---

[1] نزولی روایات کی حیثیت اور سنداً ان کا دوسرے اسلامی روایات کے مقابلہ میں کیا درجہ ہے ایک مستقل مضمون ہے سب سے پہلا مسئلہ اس سلسلہ کا یہ ہے کہ کسی آیت یا آیتوں کے کسی مجموعہ کے متعلق صحابی یا تابعی جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں معاملہ میں نازل ہوئی یعنی نزل فی کذا کہتے ہیں تو اس کا واقعی مطلب کیا ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ علامہ زرکشی صاحب البرہان،، حضرت شاہ ولی اللہ اور دوسرے اکابر ائمہ اسلام نے تصریح کی ہے کہ جس معاملہ یا جس واقعہ پر قرآن کی وہ آیت صادق آتی ہے تو اسی کے متعلق تعبیر کا یہ ایک طریقہ تھا یعنی یہ آیت فلاں چیز پر صادق آتی ہے اسی مفہوم کو نزل فی کذا سے (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

نزولی ترتیب کا ایک تاریخی لطیفہ اسی نزولی ترتیب کے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ وہ بھی ہے جسے منسوب کرنے والوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کرکے کچھ اس طرح اسے مشہور کر دیا ہے کہ عوام میں گویا یہ مان لیا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نزولی ترتیب پر قرآن کو مرتب کرکے ایک نسخہ واقعہ میں تیار کیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس نزولی ترتیب کا مطلب اگر صرف یہی ہے کہ جلد بندی میں سورتوں کی یعنی ان قرآنی رسالوں کی جو ترتیب اس وقت پائی جاتی ہے یعنی پہلے سورہ فاتحہ، پھر البقرہ پھر آل عمران آخر الناس تک۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نسخے میں سورتوں کی ترتیب یہ نہ تھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے الفاظ سے لوگ ادا کرتے تھے قیامت تک پیش آنے والے واقعات پر قرآنی آیتیں عموماً صادق آتی ہیں اس لئے ہم ہر زمانہ میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت فلاں معاملہ یا واقعہ یا مسئلہ کے متعلق نازل ہوئی لیکن اس کا یہ مطلب کہ واقعۃً اسی وقت وہ آیت نازل ہوئی صحیح نہ ہوگا دیکھو اتقان (نوع ۹) شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں بھی یہی لکھا ہے ابن تیمیہ اور زرکشی کے اقوال اتقان میں ہیں، علاوہ اس کے کون نہیں جانتا کہ نزولی روایتوں سے بخاری و مسلم بلکہ صحاح ستہ کی اکثر کتابیں خالی ہیں دوسرے بلکہ زیادہ تر تیسرے درجہ کی کتابوں میں یہ روایتیں ملتی ہیں اور اس پر بھی حال ان روایتوں کا یہ ہے کہ ایک ایک آیت کے متعلق شان نزول کی روایتوں میں متعدد واقعے بیان کئے گئے ہیں ان روایتوں کی کیا حالت ہے ان کا سرسری اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اور تو اور یہ مسئلہ کہ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت تک کے متعلق ایک سے زائد روایتیں پائی جاتی ہیں عام طور پر اقراء کے متعلق مشہور ہے لیکن نزولی روایات کے ذخیرے میں دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ بعض لوگ سورۂ فاتحہ کو بعض لوگ سورۃ القلق کو سب سے پہلی نازل ہونے والی سورہ قرار دیتے ہیں، اسی طرح کہاں نازل ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں آپ کو سورۂ فاتحہ تک کے متعلق معلوم ہوگا کہ بجائے مکہ کے کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہ تو عام بات ہے کہ ایک ہی آیت کے متعلق پانچ پانچ چھ چھ شان نزول تک مروی ہے ابن قیم نے محدثین کے اس طرز عمل پر کہ ان ہی نزولی روایتوں کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آیت پانچ دفعہ مثلاً نازل ہوئی سخت تنقید کی ہے ۱۲۔

تو میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس میں کوئی اہمیت نہیں ہے، کسی ایک مصنف کی چند کتابوں مثلاً سعدی کی گلستاں و بوستاں کی جلد بندی میں آپ خواہ بوستان کو پہلے رکھوا دیجئے یا گلستان کو ان دونوں کتابوں کے مضامین پر کوئی اثر اس کا نہیں پڑتا اور ابھی آپ کو معلوم ہوگا کہ بعض دوسرے صحابہ کے قرآنی نسخوں کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ ان میں سورتوں کی ترتیب وہ نہ تھی جو اس وقت پائی جاتی ہے لیکن اس نزولی ترتیب کا مطلب اگر یہ ہے کہ ہر ہر سورہ میں اگر آیتوں کے اندر جو ترتیب اس وقت پائی جاتی ہے حضرت علی والے مرتبہ نسخے میں بجائے اس ترتیب کے کوئی اور ترتیب آیتوں میں دی گئی تھی تو اس کا ؟ نتیجہ کیا ہو سکتا ہے اس کی دلچسپ داستان تو ابھی آپ کو معلوم ہوگی لیکن چونکہ حضرت علی کی طرف اس روایت کو منسوب کر کے مختلف قسم کی غلطیاں پھیلانے والے پھیلا رہے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود اس روایت کی جو واقعی حیثیت اور کیفیت ہے پہلے اس سے مسلمانوں کو مطلع کر دیا جائے۔

واقعہ صرف یہ ہے کہ روایات اور حدیثوں کی موجودہ عام کتابوں مثلاً بخاری و مسلم اور ان کے سوا صحاح کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں سے کسی کتاب میں یہ روایت نہیں پائی جاتی حدیث کی ان کتابوں میں ہی نہیں بلکہ جن کتابوں کو حدیث کی کتابیں کہتے ہیں خواہ سنداً ان کا مقام کتنا ہی گرا ہوا ہو ان میں بھی یہ روایت نہیں ملتی چند غیر معروف کتابیں جن کا ذکر سیوطی نے اتقان میں کیا ہے ان کے سوا سند کے ساتھ صرف ابن سعد کی کتاب طبقات میں اس وقت تک مجھے یہ روایت ملی ہے کنز العمال میں بھی اس روایت کو نقل کر کے صرف ابن سعد ہی کا حوالہ دیا ہے . . . .

. . . . جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ صاحب کنز العمال بلکہ جلال الدین سیوطی نے رطب و یابس روایتوں کی محیط دائرۃ المعارف (انسائکلوپیڈیا) جب تیار کرنی چاہی تو ان دونوں بزرگوں کو بھی غالباً ابن سعد کے طبقات کے

سوا کسی ایسی کتاب میں یہ اثر نہ ملا جسے وہ لائق ذکر خیال کرتے بہر حال ابن سعد نے جن الفاظ میں اس روایت کو درج کیا ہے ان کو پڑھ لیجئے جو یہ ہیں۔

عن محمد قال نُبّئت ان علیا ابطاء عن بیعۃ ابی بکر فلقیہ ابو بکر فقال اکرھت امارتی فقال لا ولکنی آلیت بیمین ان لا ارتدی برداء الا الی الصلوۃ حتی اجمع القرآن

محمد (ابن سیرین) سے یہ روایت ہے وہ کہتے تھے مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ حضرت علی کی طرف سے جب حضرت ابوبکر کی بیعت میں کچھ تاخیر ہوئی تب حضرت ابوبکر حضرت علی سے ملے اور پوچھا کہ میری امارت (یعنی خلافت) کو کیا ناپسند کیا اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے یہ قسم کھائی تھی کہ نماز کے سوا اپنی چادر (جسے اوڑھ کر باہر نکلتے تھے اسے) نہ اوڑھوں گا جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کرلوں۔

اصل روایت تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے آگے محمد یعنی ابن سیرین نے آخر میں اتنا اضافہ اور کیا کہ

فزعموا انہ کتبہ علی تنزیلہ

لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی نے تنزیل پر اس قرآن کو لکھا تھا۔

ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۱ مطبوعہ یورپ

بس یہ سارا فتنہ قرآن کی نزولی ترتیب کا ابن سیرین کے ان ہی الفاظ "کتبہ علی تنزیلہ" کو بنیاد بنا کر اٹھایا گیا، میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ بعض روایتوں میں اپنے خود تراشیدہ مطالب بھر کر ان سے لوگوں نے ناجائز نفع اٹھایا ہے ان میں ایک روایت یہ بھی ہے علامہ شہاب محمود آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس روایت کو چنگاری بنا کر فتنے کی آگ جن لوگوں نے پھیلائی

ان میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت ابوحیان توحیدی کی ہے (دیکھئے مقدمہ روح المعانی صفحہ ۹ ج ۱) یہ ابوحیان توحیدی کون تھا اور زندگی بھر کیا کرتا رہا اس کا قصہ حاشیوں میں پڑھئے۔[1]

---

[1] ابوحیان توحیدی کے کچھ حالات لسان المیزان میں حافظ ابن حجر نے بھی بیان کئے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ چوتھی صدی کا آدمی ہے، اس عہد کے دو مشہور وزیر صاحب بن عباد اور ابن العمید کے درباریوں میں تھا۔ علم کو دنیا طلبی کا ذریعہ ان ہی وزراء کے دربار میں تصور کرنا چاہتا تھا جیسا کہ اس کا بیان ہے اس میں کامیابی اس کو نہ ہوئی تب اس نے قلم سے فتنہ انگیزی کا کام لینا شروع کیا۔ بڑا قابل تھا اور حریری کے ابوزید سروجی کا پارٹ ادا کیا کرتا تھا اسی لئے بعض لوگوں نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ صوفیوں کا شیخ تھا اور ادیب الفلاسفہ اور فیلسوف الادباء بھی تھا یعنی فلسفیوں کے سامنے ادیب بنتا تھا اور ادیبوں کے سامنے فلسفی اور جیسے ابن راوندی کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف زندقہ کی طرف … کتابیں لکھا کرتا تھا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہی پیشہ تنگ۔ اگر اس فیلسوف الادباء اور ادیب الفلاسفہ نے اختیار کر لیا تھا جعلی کتابوں کے بنانے میں کمال تھا لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر کی جانب سے ایک طویل خط اسی نے تصنیف کیا اور ظاہر یہ کیا کہ حضرت علی نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے جب انکار کیا تو دونوں (ابوبکر و عمر) نے مل کر یہ خط حضرت علی کو لکھا تھا، اس خط میں کہیں تو خوشامد کی باتیں تھیں اور کہیں دھمکیاں حضرت علی کو دی گئی تھیں الغرض اس جعلی خط کو لکھ کر مسلمانوں میں اس نے پھیلا دیا جب فتنہ زیادہ پھیلا تو بعض لوگوں نے اس سے دریافت کیا۔ ایک دن راز کھول دیا کہ شیعوں کے فلسفہ کی تردید میں … جو شیعوں سے زیادہ اس میں سنیوں کے خلاف مواد تھا ایسی باتیں جو ابوبکر و عمر کی طرف منسوب کی گئی تھیں جو کسی معمولی مسلمان کی طرف بھی کاروبار کے سلسلے میں منسوب نہیں ہو سکتیں اس سلسلے میں ان حضرات کے کارنامے لکھے ہیں اسی بناء پر علماء حق نے اس کے متعلق اس فیصلہ کو اپنی کتابوں میں اعلان کیا کہ یہ بڑا جھوٹا مفتری، دین سے مفلس، علانیہ بیہودہ بکواس کرنے والا اور جن باتوں سے دین کا نظام پراگندہ ہو ان کے پھیلانے میں کمال رکھتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے ابن مالک کی کتاب الفریدہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے بھی لکھا ہے کہ "ابوحیان زندیق تھا" اس کی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے وزیر نے اس کو جلاوطن بھی کر دیا تھا اصلی نام علی بن محمد تھا لکھا ہے کہ جب مرنے لگا تو اس کے شاگرد جو بستر علالت کے ارد گرد جمع تھے اور اس کی زندگی کی خصوصیتوں سے واقف تھے گھبرا کر بے چارے نے اللہ اللہ کی تلقین شروع کی اور توبہ استغفار کے

بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سورتوں کی ترتیب کا ذکر اگر اس روایت میں ہے اور روایت کے جو الفاظ ہیں ان میں یقیناً اس کی بھی گنجائش ہے تو اس وقت تو خیر کوئی بات ہی نہیں ہے اب بھی مسلمان بچوں کے پڑھانے کے لئے عم کے پارے کی سورتوں کی ترتیب بدل دیتے ہیں یعنی پہلے والناس پھر الفلق اور آخر میں سورۂ عم یتساءلون ان پاروں میں چھاپی جاتی ہے کسی کو خیال بھی نہیں گذرتا کہ ترتیب سورتوں کی اگر بدل بھی گئی، تو کیا ہوا؟ اور مقصد اگر سورتوں کی آیتوں کی الٹ پھیر کا ہے، غالباً فتنہ پردازوں کی یہی نیت یہی ہے بھی ورنہ سورتوں کی نزولی ترتیب کے مسئلہ کو اتنی اہمیت کیوں دیتے، تو اب دیکھئے روایت کا حال کیا ہے، محمد یعنی ابن سیرین روایت کی ابتداء ہی کرتے ہوئے "نُبئت" کا لفظ بولتے ہیں، یعنی مجھے ایسی اطلاع دی گئی ہے لیکن اطلاع دینے والے کا نام نہیں لیتے چلئے روایت مجہول ہوگئی اور اس سے بھی دلچسپ بات تو اس کے بعد ہے یعنی جب نزولی ترتیب کی خبر دینے لگے تو "زعموا" کا لفظ استعمال کیا یعنی لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی نے قرآن کے اس نسخے کو تنزیل پر لکھا تھا، بجائے خود "زعم" کا لفظ عربی میں روایت کو کمزور کر دینے کے لئے کافی ہے اسی لئے بعض لوگوں نے بزرگوں میں اپنے لڑکوں سے کہا تھا کہ "زعموا" کا یہ لفظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لئے اس کو ہدایت کرنے لگے، کہتے ہیں کہ ابوحیان نے تب آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر بولا کہ کیا میں کسی فوجی سپاہی یا پولیس کے جوان کے پاس جا رہا ہوں پھر کہا کہ "رب غفور" کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں اسی آخری فقرے پر دم نکل گیا خدا ہی جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوا؟ دراصل اس کے مزاج میں شوخی اور گستاخی تھی۔ ادب سے محروم تھا صاحب بن عباد اور ابن العمید کے دربار میں جب توقعات رکھتا تھا تو لوگوں سے بیان کیا ہے کہ ان کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے یہ تک اس نے لکھ مارا کہ یہ دونوں اگر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھیں تو ان پر بھی وحی نازل ہونے لگے، اور شریعت نئی ہو جائے مسلمانوں کے دینی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے متعدد جعلی حدیثوں کے مشہور کرنے میں اس نے خاصی شہرت حاصل کی جن میں حضرت علی والی یہ روایت بھی ہے یعنی قرآن کی نزولی ترتیب کی وجہ سے بیعت سے رکے رہے دیکھو ص۲۷۲ لسان المیزان

مجھے بخش دو، یعنی کبھی استعمال نہ کرنا حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ جھوٹ کو چلتا کرنے کے لئے "زعموا" کا لفظ بہت اچھی سواری کا کام دیتا ہے جیسے اس زمانے کے اخبار نویس "سمجھا جاتا ہے" "قیاس کیا جاتا ہے" "معتبر حلقوں سے یہ بات پھیلی ہے" دراصل جھوٹ کو آگے بڑھانے کی یہ سواریاں ہیں ماسوا اس کے خیال کرنے والے کون لوگ تھے ان کے نام کا بھی ابن سیرین ذکر نہیں کرتے یہ دوسری جہالت اسی روایت میں ہے حافظ ابن حجر نے اسی لئے انقطاع کا نقص بتاتے ہوئے اس روایت کو سنداً مسترد کر دیا ہے اور مان بھی لیا جائے تو نزولی ترتیب میں سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کی ترتیب دونوں کا احتمال ہے، لیکن مدعا مدعیوں کا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ذریعہ سے یہ ثابت کریں کہ سورتوں کی ترتیب نہیں بلکہ ہر سورہ کی آیتوں کی موجودہ ترتیب کی جگہ نزولی ترتیب حضرت والا نے دی تھی ظاہر ہے کہ اس کے معین کرنے کی قطعاً کوئی صورت نہیں ہے علاوہ اس کے علماء نے لکھا ہے کہ بعض روایتوں سے جو معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ و منسوخ آیتوں کو ایک ہی جگہ مرتب کر کے حضرت علیؓ نے ایک کتاب لکھی تھی اور اسی کی طرف یہ اشارہ ہے تو بقول آلوسی پھر یہ قرآن کا نسخہ ہی کب باقی رہا یہ تو "ناسخ و منسوخ" کی دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب ہو گئی۔ اور بھی بیسیوں احتمالات ہیں کہنا یہی ہے کہ لے دے کر اسی ایک ٹوٹی پھوٹی شکستہ دریشتہ روایت کو بنیاد بنا کر یقین کی اس قوت کو مضمحل کرنے کی کوشش کرنا جو قرآن کے موجودہ متواتر و متوارث ترتیب کے متعلق انسانی فطرت رکھتی ہے بجز مغالطہ بازی کے اور کیا ہے[1]

---

[1] اتقان میں سیوطی نے جیسا کہ میں نے عرض کیا بعض غیر مشہور کتابوں کا حوالہ دے کر بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے مثلاً ابن الفرس کی کتاب الفضائل کی طرف منسوب کر کے ابن سیرین ہی کی اس روایت کو درج کرتے ہوئے نئی بات کا اضافہ یہ کیا ہے کہ ابن سیرین سے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) نے اس قصہ کا ذکر کیا تھا اس پر ابن سیرین نے عکرمہ سے دریافت کیا کہ حضرت علی کے قرآن جمع کرنے کا مطلب کیا تھا کہ کما اُنزِلَ الاوّل فالاوّل یعنی جو پہلے نازل ہوئی اس کو پہلے پھر اس کے بعد جو نازل ہوئی بالفاظ دیگر ابن سیرین نے سوال کیا کہ علی نے کیا نزولی ترتیب پر

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

ما سوا اس کے سب سے زیادہ دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ نزولی ترتیب کے ڈھونڈ نکالنے والوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ اگر نزولی ترتیب پر ہر ہر سورۃ کی آیتوں کو مرتب کرنے کی کوشش میں اگر کوئی کامیاب بھی ہو جائے جس طرح وہ نازل ہوتی رہی ہیں مگر آیتوں میں اس تاریخی ترتیب کے پیدا کرنے کی سعی لاحاصل کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کو سوچ سکتے ہیں آپ کی توجہ ادھر منعطف کرانا چاہتا ہوں جس کا ذکر شروع مضمون میں بھی اجمالاً کر چکا ہوں یعنی عرض کیا تھا کہ قرآنی سورتوں کی حیثیت کسی واحد بسیط کتاب کی نہیں ہے بلکہ ہر ہر سورہ کا مشروع اور اس کی غرض وغایت دوسری سورہ کے مقابلہ میں مستقل حیثیت رکھتی ہے علاوہ اس کے کہ تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے میں تو کہتا ہوں کہ سورتوں کے مضامین کی اسی استقلالی حیثیت کے احساس ہی کا نتیجہ عہد صحابہ میں یہ تھا کہ صرف دو سورتیں یعنی سورہ انفال اور سورہ برأت کے مضامین میں تھوڑا بہت وحدت کا رنگ پایا جاتا تھا لیکن پھر بھی دونوں کی حیثیت چونکہ بالکلیہ ایک نہ تھی آپ جانتے ہیں کہ امتیاز کے اسی رنگ کو باقی رکھنے کے لئے کیا گیا؟ یہ جواب دیکھتے ہیں کہ ہر سورہ دوسری سورہ سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے ذریعہ سے جدا ہوتی ہے لیکن ان دونوں سورتوں کے بیچ میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" نہیں ہے حضرت عثمانؓ سے جب پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ

کانت قصتها شبیهة بقصتها فظننت	یعنی دونوں کے مضامین ملتے جلتے تھے اس
انها منها فقبض رسول اللہ صلی اللہ	لئے میں نے خیال کیا کہ یہ (برأت) بھی اسی میں
علیہ وسلم ولم یبین لنا انها منها	شامل ہے (یعنی انفال ہی میں) داخل ہے اتنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جمع کیا تھا؟ اس روایت میں ہے کہ جواب میں عکرمہ نے کہا کہ جن و انس بھی اکٹھے ہو کر چاہیں کہ قرآن کو اس ترتیب پر تالیف کریں تو ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ عکرمہ کے عربی الفاظ یہ ہیں لو اجتمعت الانس والجن علی ان یولفوہ ذالک التالیف ما استطاعوا" اسی طرح ابن اشتہ کی کتاب المصاحف سے سیوطی نے نقل کیا ہے کہ ابن سیرین کہا کرتے تھے کہ حضرت والے مرتبہ قرآن کے متعلق مدینہ کے لوگوں کو لکھا اور بہت تلاش کیا لیکن نہ مل سکا خود یہی اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ مرتبہ نسخہ اور کسی کے پاس نہ سہی خاندان اہل بیت میں تو ضرور رہا تھا اگر واقعی کوئی قرآن انھوں نے لکھا تھا ۱۲۔

فمن اجل ذلک قرنت بینھما ولم اکتب بینھما بسم اللہ الرحمن الرحیم (ابو داؤد و ترمذی از جمع الفوائد)

میں رسول اللہ کی وفات ہوگئی مگر آپ سے یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ واقعی برات انفال میں سے ہے اس لئے دونوں کو ہم نے جوڑ تو دیا لیکن "بسم اللہ الرحمن الرحیم" ان دونوں کے بیچ میں نہ لکھا

آپ دیکھ رہے ہیں سورتوں کے مضامین کے مسئلہ میں صحابہ کے احساس کی اس نزاکت کو، سورتوں کی وحدت اور تعداد کا مدار مضامین کی وحدت و تعداد پر ہے صحابہ کا جو نقطۂ نظر اس باب میں تھا کیا اس کے لئے اس سے زیادہ واضح شہادت کی ضرورت ہے، بہرحال یہ ایک واقعہ ہے کہ دیکھنے میں قرآن کی سورہ کتنی ہی چھوٹی نظر آتی ہو جیسے ہاتھی کے مقابلہ میں چیونٹی خواہ جتنی بھی مختصر معلوم ہوتی ہو لیکن ایک مستقل جسمانی نظام کی وہ مالک ہے یہی حال ہر سورہ کا ہے اور کہا جا سکتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ موضوع اور غرض و غایت کے لحاظ سے جیسے جغرافیہ کا علم طب سے اور طب کا تاریخ سے، تاریخ کا کیمسٹری سے الگ حیثیت رکھتا ہے بہی اور بجنسہ یہی حال قرآن کی ہر سورہ کا . . . .

. . . . دوسری سورہ کے مقابلہ میں ہے اب ذرا خیال کیجئے کہ نزولی ترتیب پر ہر ہر سورہ کی آیتوں کو مرتب کرنے کے معنی کیا ہونگے مذکورہ بالا مختلف علوم و فنون، مثلاً طب، جغرافیہ، کیمسٹری اکانومی وغیرہ کی کتابیں جن کا مصنف فرض کیجئے کہ ایک ہی شخص ہو اور ان ساری کتابوں کو آگے پیچھے شروع کرکے اس نے خاص مدت میں ختم کیا ہو اب اگر مصنف کی ان تمام قدیم یادداشتوں

لہ مثلاً سورۂ قل ہو اللہ احد، یا الکوثر یا العصر ہی کو لیجئے تین چار آیتوں سے زیادہ ان میں کوئی صورت نہیں ہے لیکن جن حقایق اور معانی سے ان میں ہر ایک لب ریز ہے اور انسانی زندگی کے جن خاص شعبوں کے متعلق حیرت انگیز انکشافات ان سے ہوتے ہیں کسی جاننے والے سے پوچھئے کچھ نہیں تو علامہ فراہی کی تفسیر کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے اسی کا مطالعہ کیا جائے ۱۲ -

کے تلاش کرنے میں کوئی کامیاب بھی ہو جائے جنھیں مختلف علوم و فنون کی ان کتابوں کی تالیف و تصنیف کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً مصنف جمع کرتا رہا اور ان ہی کی مدد سے ہر کتاب کو اس نے مکمل کیا پھر ان تمام یادداشتوں میں تاریخی ترتیب پیدا کر کے سب کو مرتب کر کے کسی کتاب کی شکل میں کوئی پیش کرے تو صورت اس کتاب کی کیا ہو جائے گی؟ اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے اگر آپ کو اس کتاب کی ابتدائی چند سطروں میں تو طب کے کچھ نسخے اور مسائل ملیں اور ان ہی کے بعد کے فقروں میں جغرافیہ کے معلومات، ان کے بعد کیمسٹری کے نظریات علی ہذا القیاس چوں چوں کا مربہ کوئی واقعہ ہو یا نہ ہو لیکن یہ کتاب تو یقیناً چوں چوں ہی کا مربہ یا دیوالی ہنڈیا ہو گی۔

بہرحال قرآن کی موجودہ ترتیبی شکل تواتر اور توارث کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے ایک ایسی قطعی حقیقت کے متعلق نزولی ترتیب والی ایسی روایتوں کی مدد سے ترمیم پر آمادہ ہو جانا جن کی سند کو حدیثوں کی صحت کے معیار پر پورا اترنا آسان نہیں ہے جنون نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اتقان میں سیوطی نے طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی سند جید ہے، حاصل اس کا یہ ہے کسی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے پوچھا کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہ

یقرء القرآن منکوسا — قرآن کو الٹ کر پڑھتا ہے۔

بظاہر اس کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی جو عام ترتیب ہے، بجائے اس ترتیب کے الٹ کر قرآن کو پڑھتا ہے لکھا ہے کہ جواب میں ابن مسعود نے فرمایا کہ

ذاك منكوس القلب — وہ اوندھے دل کا آدمی ہے۔

بتائیے کہ اسی زمانہ میں جب اس قسم کے لوگوں کو منکوس القلب کہا گیا تھا تو اس زمانے میں سورتوں ہی کی ترتیب میں تصرف و ترمیم ہی کی جرأت کیوں نہ کی جائے ہم اس کو کیا کہیں۔ حالانکہ جیسا

کہ میں نے عرض کیا سورتوں کی ترتیب کا مسئلہ چنداں دشوار بھی نہیں ہے، خود بخاری ہی میں ہے کہ ایک عراقی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ذرا اپنا قرآن مجھے دکھائیے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ کس لئے دکھاؤں اس نے کہا کہ آپ کے قرآن کی جو ترتیب ہے یعنی سورتوں کی جو ترتیب ہے اسی ترتیب سے میں بھی اپنے قرآن کی سورتوں کو مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ ام المومنین نے اس وقت جواب میں فرمایا کہ

مایضرک ایہ قرأت بخاری ص ۷۴۶ ج ۲	کسی طرح پڑھو تم کو اس سے نقصان نہ پہنچے گا

میں نے پہلے بھی کہیں کہا ہے کہ بچوں کے لئے عم کا پارہ سہولت کے لئے آج بھی اس ترتیب پر نہیں چھپتا جس ترتیب پر قرآن میں یہ سورتیں ہیں اور یہ وہی بات ہے کہ ایک ہی مصنف کی چند کتابوں کو آپ جس ترتیب سے چاہیں جلد بندی کرا سکتے ہیں کتاب کے معانی و مطالب پر اس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا

پس اصل مسئلہ ہر ہر سورہ کی آیتوں کی ترتیب کا ہے اور اس مسئلہ میں جیسا کہ سیوطی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اول سے آخر تک اس پر اتفاق ہے کہ آیتوں کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبرئیل علیہ السلام کے حکم سے دی ہوئی ہے اس ترتیب میں کسی قسم کی ترمیم خود قرآن کی ترمیم ہے، سیوطی کے الفاظ یہ ہیں کہ

ترتیب الآیات فی السور بتوقیفہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ غیر خلاف فی ھذا بین المسلمین (اتقان نوع ۱۸)	ہر ہر سورہ میں آیتوں کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے اور حکم سے دی گئی ہے اس میں مسلمانوں کے اندر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور میری تو سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ ایسی بھی کوئی کتاب کیا کسی مصنف کی ہو سکتی ہے کہ اس کے فقروں کو تو کسی نے بنایا ہو اور ان فقروں کو جوڑ کر عبارت کسی نے بنائی ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے اور میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ عہد صدیقی میں سورتوں کی جلدبندی جس ترتیب سے کرادی گئی تھی اس کا پابند دوسروں کو نہیں بنایا گیا تھا بلکہ جیسے کسی مصنف کی چند کتابوں کو بندھوانے والے جس ترتیب کے ساتھ جلد بندھوا دیتے ہیں ابتداء میں اسی قسم کی انفرادی آزادی مسلمانوں کو جو تھی اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے بعض صحابیوں کے قرآن کی ترتیب دوسرے صحابی سے مختلف بھی ہوتی تھی مثلاً غیر معیاری روایتوں میں ہے کہ ابن مسعود کے مصحف میں نون کی سورہ الذاریات کے بعد القیامہ کی سورۃ عم یتساءلون کے بعد النازعات کی سورۃ الطلاق کے بعد اور الفجر کی سورۃ التحریم کے بعد اسی طرح ابی بن کعب کے مصحف میں کہتے ہیں کہ الکہف اور الحجرات کی سورتیں نون کے بعد تبارک حجرات کے بعد النازعات الواقعہ کے بعد الم نشرح قل ہو اللہ کے بعد تھی۔

لیکن عہد عثمانی میں حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ کے مجلد کرائے ہوئے قرآن کی نقلیں حکومت نے مرکزی صوبوں میں تقسیم کر کے یہ حکم مسلمانوں کو سب دیا گیا کہ سورتوں کی ترتیب میں بھی اسی کی پابندی کی جائے اور دوسری ترتیب سورتوں میں بھی قانوناً ممنوع قرار دے دی گئی اس وقت سے یہ اختلاف بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

باقی یہ سوال کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں جس ترتیب سے سورتوں کی جلدبندی کرائی گئی تھی آیا یہ صحابہ کی رائے سے فیصلہ کیا گیا تھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ ترتیب سورتوں میں قائم کی گئی، کوئی واضح روایت اس باب میں نہیں ملتی لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

انما الف القرآن علی ما کانوا یسمعون من النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتقان منہ

یعنی اس وقت قرآنی سورتوں میں ترتیب اسی ترتیب کی پیروی میں دی گئی جس ترتیب سے

صحابہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنتے تھے۔

امام مالک کی اس تاریخی شہادت کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی جبرئیل علیہ السلام کو اس سے پہلے جو رمضان گذرا تھا، دو دفعہ قرآن آپ نے سنایا تھا، یہ روایت بخاری وغیرہ تمام صحاح کی کتابوں میں پائی جاتی ہے اس وقت تک بجز چند آیتوں کے قرآن پورا نازل ہوچکا تھا پس جس ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو سنایا تھا کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ سورتوں کی جلد بندی میں اس طرز عمل کی پیروی نہ کی جاتی۔ پس سورتوں کی ترتیب کا مسئلہ بھی اس لحاظ سے جبرئیل امین ہی کا توثیق یافتہ ہے اور خدا کا فضل ہے کہ عہد عثمانی کے اس فرمان کے بعد جس میں عہد صدیقی کے مرتبہ مصحف کی پیروی ہر مسلمان کے لئے لازم کردی گئی، اس وقت تک مسلمان مشرق و مغرب میں اول سے آخر تک اسی کے پابند ہیں البتہ ضرورتاً جیسے بچوں کی تعلیم وغیرہ کی سہولت کے لئے کبھی اس آزادی سے بھی نفع اٹھالیا جاتا ہے جو اس فرمان کے نفاذ سے پیشتر صحابہ میں پائی جاتی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ گو قرآن کے پڑھنے پڑھانے کے سلسلے میں تجویدی خدمات اور اس کے سمجھنے سمجھانے میں تفسیری کارناموں کے سوا خود لکھنے لکھانے میں بھی قرآن کے مسلمانوں نے جن اولوالعزمیوں کا بھی ثبوت دیا ہو عربی غیر عربی ہر قسم کے مسلمان کے لئے قرآن کا پڑھنا آسان ہوجائے اس کے لئے انھوں نے جو کچھ بھی کیا ہو حروف میں غیر معمولی محاسن پیدا کیے گئے اعراب زبر زیر پیش جزم تشدید وغیرہ جیسی ایجادیں کی گئیں، حتی کہ یہ واقعہ ہے کہ قرآن کو مسلمانوں نے سونے موتی اور مختلف قسم کے جواہر کے سیال محلول سے بھی بکثرت لکھوایا اور کیا کیا بتاؤں کہ اس تیرہ سو سال کے عرصے میں کیا کچھ نہیں کیا[1]۔

---

[1] حال ہی میں میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ نظام الملک طوسی سلجوقی دربار کے مشہور وزیر کے پاس ہدیہ
(بقیہ برصفحہ آئندہ)

لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چودہ سال بعد عہد عثمانی میں قرآنی سورتوں کی جس ترتیبی شکل پر اتفاق و اجماع قائم ہو گیا، اس کے متعلق یہ خیال کہ اس میں رد و بدل کا کسی حیثیت سے بھی کچھ امکان ہے، خیال تو خیال حقیقت یہ ہے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی کو کسی قسم کا خطرہ بھی اس وقت تک نہ ہوا تھا جب تک کہ عیسائی پادریوں نے استشراقی کھال اوڑھ کر اغوائی القاء اور وسوسہ اندازیوں کی مہم شروع نہ کی تھی لیکن یابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون -

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں ایک عالم جن کا نام عبد السلام ابو یوسف تھا، قرآن مجید لکھ کر پیش کیا تھا جس میں یہ صنعت رکھی گئی کہ تین رنگ تو انھوں نے جواہرات کو محلول اور سیال کر کے حاصل کیا اور ایک سیال محلول سونے کا تیار کیا۔ قرآن لکھ کر جب پورا ہو گیا تو سرخ رنگ سے اختلاف قرأۃ کو ان آیتوں کے نیچے ظاہر کیا تھا، جن کی قرأت میں قراء کا اختلاف ہے اسی طرح قرآن کے ایسے الفاظ جن کے معانی عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہیں ان کے معانی کو سبز رنگ والے جوہری محلول سے لکھا تھا اسی طرح نیلم کے سیال محلول سے انھوں نے پورے قرآن پر زیر و زبر پیش جزم تشدید مد وغیرہ لگایا تھا اور ایسی تمام آیتیں جن سے عہد و پیمان کی اہمیت ظاہر ہوتی ہو یا جن سے باہمی خط و کتابت تبریک و تہنیت یا تقریب و تسلی وغیرہ میں کام لیا جا سکتا ہو، اسی طرح جن جن آیتوں میں جنت کی بشارت یا جہنم کی دھمکی دی گئی ہے اس قسم کے تمام مقامات پر سونے کے سیال محلول سے پورے قرآن میں نشانات لگائے تھے دیکھئے الکتانی کی کتاب التراتیب الاداریۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ مطبوعہ مراکش اس سلسلہ میں مسلمانوں کے غیر معمولی کارناموں کی کوئی چاہے تو ایک ضخیم تاریخ مرتب کر سکتا ہے ۱۲ -

تصحیح

(قدرتی نظام اجتماع) کی قسط دوم ماہ ستمبر ۴۹ء ص ۱۵۶ و ص ۱۵۷ کے حاشیہ کو صحیح کر کے یوں پڑھئے۔

ص ۱۵۶ حاشیہ ۱ "بخاری" کے بجائے فتح القدیر لابن الہمام جلد اول ص ۱۲۹ ہونا چاہئے -

حاشیہ ۲ مشکوٰۃ باب الجماعۃ عن البخاری کے بجائے البحر المختار جلد اول ص ۲ پڑھنا چاہئے۔

ص ۱۵۷ ۲ بخاری باب حد المریض ان یشہد الجماعۃ پڑھنا چاہئے -

مضمون کی تیسری قسط کا نومبر میں انتظار فرمائیے

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ
اور
جنگ پانی پت

(از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی)

پہلے ہی سے دکن کے مسلمانوں اور مرہٹوں کو اپنی جانب مائل کر رکھا تھا اس قضیہ نے طول کھینچا محمد شاہ کے عہد میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ نظام الملک جب اپنی مضبوطی کر کے مالوہ سے دکن کی طرف راہی ہوا اور مرہٹوں کے جرگہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ سیدوں نے سید دلاور علیخاں کو جو مالوہ کی سرحد پر فوج لئے پڑا تھا۔ نظام الملک کے تعاقب کا حکم دیا جب مقابلہ ہوا دلاور علیخاں نے نظام الملک کے مقابلہ میں منہ کی کھائی۔ سیدوں کو شکست کی اطلاع ملی تو سیدوں نے عالم علی خاں کی سرکردگی میں اورنگ آباد میں فوج پڑی ہوئی تھی کو لکھا نظام الملک کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے وہ مقابل ہوا اور مارا گیا۔ اب سیدوں کے ہوش کے طوطے اڑ گئے۔ تو محمد شاہ بادشاہ کو ہمراہ لے کر سید حسن علی خاں نظام الملک کی سرکوبی کے لئے دکن روانہ ہوئے مگر راستہ میں ہی ہلاک ہو گئے۔ بادشاہ دلی لوٹے ۱۷۲۲ء میں نظام الملک بھی دکن سے دلی آئے اور وزارت کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ یہاں محمد شاہی دربار میں نظام الملک کو عالمگیری دربار کی شان کہاں نظر آسکتی تھی اور محمد شاہی دربار کے خفیف الحرکات امرا کہاں اس سنجیدہ امیر کی موجودگی کو پسند کرنے لگے نظام الملک اپنی دکن کی آزاد حکومت کو غنیمت سمجھ کر دکن چلا گیا اور نادر شاہ کے حملہ

کے وقت پھر دہلی آگیا۔ نادر شاہ سے محمد شاہ کی صلح کرانے کا باعث ہوا نادر کچھ رقم تاوان لے کر واپس جا رہا تھا کہ برہان الملک نے اسے دہلی جانے کی ترغیب دی بیان کیا جاتا ہے کہ اس غصّے کے باعث کہ صلح میں اس کی عزت افزائی نہیں ہوئی دہلی پہنچ کر نادر نے قتل عام کا حکم دے دیا آخر آصف جاہ تلوار گلے میں ڈال کر نادر کے پاس پہنچا۔ اور شہر کی حالت اس شعر میں بیان کی

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کُشی　　مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کُشی

نادر نے فی الفور قتل عام بند کر دیا اور آصف جاہ سے کہا کہ

بہ ریش سفیدت بخشیدم

نادر کے جانے کے بعد آصف جاہ دکن چلا گیا وہاں پہنچکر اپنے ابھارے ہوئے مرہٹوں کی آویزش میں الجھ گیا بدقت تمام احمد نگر پران کو شکست دی جس سے انھوں نے صلح کر لی۔ اسی زمانہ میں آصف جاہ کے دوسرے بیٹے ناصر جنگ نے جو دکن کا نائب تھا بغاوت کا علم بلند کر دیا مگر باپ نے مقابلہ میں شکست دی اور قندھار (نزد ناندیڑ دولت آصفیہ) کے قلعہ میں قید کر دیا اس کے بعد کرناٹک پر فوج کشی کر دی یہاں جا بجا نواب بن بیٹھے تھے ۱۷۴۲ء میں وہاں کا گورنر صفدر علی خاں اپنے ایک نسبتی بھائی مرتضےٰ خاں کے ہاتھوں مارا گیا اور بدنظمی اور بڑھ گئی ۱۷۴۳ء میں آصف جاہ نے کرناٹک کی نوابیوں کو فوج کشی کر کے ختم کیا اور علاقہ تصرف میں لایا۔ انور الدین خاں بہادر شہامت جنگ گوپاموی کو کرناٹک پائین گھاٹ کا ناظم مقرر کیا اور بالا گھاٹ کی گورنری اپنے نواسے ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ کو دی اس کے بعد آصف جاہ کی توجہ اندرونی نظم ونسق کی درستی پر مبذول رہی۔

انتقال ۱۷۴۸ء میں خبر ملی کہ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کر دیا آصف جاہ مصلحت کے لحاظ سے برہان پور آگیا لیکن چند روز بعد ابدالی کی شکست کی خبر مل گئی وزیر سلطنت قمر الدین خاں مارا گیا